© rasailojaraid.com

حالات وواقعات

مولانا حافظ محمد یوسف☆

ولادت سے تکمیل تعلیم تک

[مصنف کی زیر ترتیب کتاب ''شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر: حیات وخدمات'' کا پہلا باب]

ولادت اور نام ونسب: بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے اور چودھویں صدی ہجری کے عشرہ ثالثہ میں مملکت پاکستان کے صوبہ سرحد کے علاقہ ہزارہ میں واقع ضلع مانسہرہ کی ایک غیر معروف بستی ڈھکی چیڑاں داخلی ''کڑمنگ بالا'' کے افق سے رشد وہدایت کا ایک آفتاب طلوع ہوا جس کو علمی دنیا میں امام اہل سنت، استاذ العلما، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم کے نام سے شہرت دوام حاصل ہوئی۔

آپ نے ۱۹۱۴ء میں اس جہان رنگ وبو میں آنکھ کھولی۔ آپ کا آبائی گاؤں کڑمنگ بالا ہے جو شاہراہ ابریشم پر شنکیاری سے کچھ آگے اور بٹل سے پہلے واقع ہے۔ اس گاؤں کے بالائی طرف پہاڑ پر واقع ایک چھوٹا سا ڈیرہ ''ڈھکی چیڑاں'' کے نام سے موسوم تھا۔ یہی ڈیرہ آپ کی جائے پیدائش ہے۔ آپ کے برادر عزیز مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان صاحب سواتیؒ بھی ۱۹۱۷ء میں اسی مقام پر پیدا ہوئے۔

آپ کا اسم گرامی محمد سرفراز خان، کنیت ابوالزاہد، تخلص صفدر اور لقب امام اہل سنت ہے۔ آپ نے ابوالزاہد کنیت اپنے بڑے فرزند مولانا زاہد الراشدی کے نام کی مناسبت سے اختیار کی، جبکہ تخلص 'صفدر' کی وجہ آپ خود یہ بیان فرمایا کرتے تھے: ''میں دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھا۔ میں ایک روز کسی وجہ سے کچھ تاخیر سے جماعت میں حاضر ہوا اور طلبا کی صفوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اپنی جگہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میرے استاد محترم شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے مجھے یوں جلدی جلدی آتے دیکھا تو فوراً بول اٹھے، صفدر آ رہا ہے۔ تمام طلبہ نیا نام سن کر مسکرا پڑے تو شیخ العرب والعجمؒ نے فرمایا: یہ وہ صفدر ہے جو ان شاء اللہ حق وباطل کی صفوں میں تمیز کرے گا''۔ سبحان اللہ! کیسا سہانا وقت تھا اور کتنی مقبولیت کی گھڑی تھی کہ آپ کے استاد محترم کی زبان مبارک سے نکلا ہوا لفظ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسا قبول ہوا کہ آپ زندگی بھر حق وباطل کی صفوں میں تمیز کرتے رہے۔ تمام فرق باطلہ کے عقائد باطلہ کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کا علمی انداز میں رد کرتے رہے۔ بقول آپ کے: ''عزیز طلبہ! میں نے چوکھی لڑائی لڑی ہے، یعنی جس جہت سے دین اسلام پر حملہ ہوا ہے میں نے

☆ رفیق الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحمد اللہ تعالیٰ اس کا بھرپور جواب دیا ہے‘‘۔

ممتاز اصحاب فضل وکمال نے آپ کی ہمہ جہت دینی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے فرط عقیدت سے آپ کو امام اہل سنت کے لقب سے موسوم کیا۔ مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب (جانشین محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ) اور شیخ الحدیث والتفسیر مولانا زرولی خاں صاحب کی تحریک پر سفر کراچی کے دوران اصحاب علم ودانش نے آپ کو اسی لقب سے سرفراز فرمایا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کی عاجزی وانکساری کا یہ عالم کہ آپ اس لقب کی توجیہ ان الفاظ میں بیان فرمایا کرتے تھے: ’’میں امام اہل سنت صرف اس مفہوم ومعنی میں ہوں کہ میں گوجرانوالہ شہر میں واقع گکھڑ میں اہل سنت کی ایک مسجد کا امام ہوں‘‘۔

خاندانی پس منظر: حضرت شیخ الحدیث کا سلسلہ نسب درج ذیل ہے: ’’محمد سرفراز خان بن نور احمد خان بن گل احمد خان بن مولوی گل‘‘۔ قومیت کے اعتبار سے آپ یوسف زئی پٹھان ہیں۔ یوسف زئی خاندان کا یہ حصہ ہزارہ کے علاقہ میں سواتی برادری کے نام سے معروف ہے۔ آپ کا خاندانی تعلق اسی سواتی برادری کی شاخ مندراوی سے ہے۔ ضلع مانسہرہ میں اور خاص طور پر شکیاری سے ایک میل آگے اچھڑیاں گاؤں میں آج کل یہ برادری بڑی تعداد میں آباد ہے۔

آپ کے والد بزرگوار محترم نور احمد خان مرحوم ایک نیک سیرت، صوم وصلوۃ کے پابند اور باخدا انسان تھے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب اپنے ایک مضمون میں خود تحریر فرماتے ہیں: ’’ہم نے جب ہوش سنبھالا تو والد محترم کو بالکل سفید ریش دیکھا۔ ایک بال بھی سر اور داڑھی میں سیاہ نہ تھا۔ بخلاف اس کے ہمارے دادا جی مرحوم بھی اس وقت زندہ تھے، ان کی ڈاڑھی اور سر میں بال سیاہ بھی تھے اور ان کی عمر سو سال کے لگ بھگ تھی۔ جب دونوں باپ بیٹا اکٹھے ہوتے تو دیکھنے والوں کو الٹ شبہ پڑتا تھا۔ ہمارے گھر کے قریب کوئی اور مکان نہ تھا تقریباً دو فرلانگ فاصلہ پر ہمارے دادا صاحب مرحوم اور ان کے چھوٹے بھائی میر عالم خان مرحوم کے دو مکان تھے جو بالکل آس پاس تھے اور انہوں نے اپنی سہولت کے لیے مسجد بھی تعمیر کر لی تھی۔ بحمد اللہ سبھی بزرگ متشرع اور پختہ نمازی تھے۔ ہمارے والد محترم نے گھر سے باہر ایک چبوترہ نماز کے لیے بنا رکھا تھا اور جانوروں سے اس کی بڑی حفاظت کیا کرتے تھے۔ تہجد اور باقی سب نمازوں کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ یہی حال ہماری سوتیلی والدہ محترمہ کا تھا۔ والد محترم کبھی کبھی اذان خود بھی کہتے تھے، مگر زیادہ تر مقابل میں دوسرے پہاڑ پر جگوڑی کے موذن کی اذان پر نمازوں اور افطاری وسحری کا انحصار تھا۔ والد محترم اور اسی طرح دادا محترم بالکل ان پڑھ تھے۔ جوانی کے دور میں والد محترم نے قرآن کریم کا پہلا پارہ ناظرہ پڑھا تھا۔ اس کے بعض مقامات پڑھ لیا کرتے تھے۔ ہاں قرآن کریم کی بعض سورتیں خوب یاد تھیں، نماز اور تلاوت میں انہیں سورتوں کو پڑھتے تھے۔ عمر گو خاصی تھی، مگر صحت بفضلہ تعالیٰ قابل رشک تھی، اور اپنا تمام کاروبار خود کرتے تھے۔ ایک معمر نوکر رکھا تھا جو کوہ مری کے علاقہ کا تھا اور عباسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ بڑا پرہیزگار، متشرع، نمازی اور نہایت خدمت گزار تھا۔ ہمارے مال مویشی اکثر وہی چرایا کرتا تھا، اور ہم بھی کبھی کبھی اس کے ساتھ مال مویشی چرانے کے لیے شرکت کرتے تھے۔ پانی خاصی دور تھا اور وہ پانی بھی اکثر لایا کرتا تھا۔ ہمارا گھر گو اکیلا تھا، مگر مہمان بکثرت آتے رہتے تھے اور خصوصاً لمبی کے ہمارے پھوپھی زاد بھائی تو اکثر وہاں رہا کرتے تھے۔ خوب چہل پہل تھی۔ والد محترم بڑے مہمان نواز تھے۔ بٹ کس کی صاف شفاف ندی سے خود مچھلیاں پکڑ کر لاتے اور مہمانوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مچھلیوں اوراس کے علاوہ مرغوں اور گوشت سے خوب تواضع کیا کرتے تھے۔ جب کسی موقع پر کوئی مہمان نہ آتا تو خاصے پریشان دکھائی دیتے تھے،لیکن مہمانوں کے نہ آنے کا واقعہ سال میں کبھی کبھی پیش آتا تھا‘‘۔

آپ کے والد محترم ریاست سوات کے ایک باعمل عالم دین، ولی کامل، خواجہ عبدالغفور اخوندؒ کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔ آپ روحانی تربیت وتزکیہ کے لیے اکثر اپنے شیخ کامل کی خدمت میں حاضر ہوتے اور درخواست کرتے کہ حضرت دعا فرمائیں: ’’میری اولاد عالم دین ہو‘‘۔ خداوند قدوس نے آپ کی قلبی خواہش اور آپ کے شیخ طریقت کی دعا کو یوں قبول فرمایا کہ آج آپ کی اولاد کا علمی وروحانی فیض ہرسو عالم پھیلا ہوا ہے۔ آپ کی اولاد حضرت شیخ الحدیث صاحب اور مفسر قرآن مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ کے علمی وتدریسی، تحقیقی وتصنیفی کارناموں نے دنیاے اسلام کو متاثر کیا ہے۔ آج ان کا نام دنیاے علم میں انتہائی ادب واحترام سے لیا جاتا ہے اوران کو برصغیر کی عظیم شخصیتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

آپ کے والد محترم کی پہلی شادی اپنے حقیقی چچا محمد خان مرحوم کی بیٹی رحمت نور مرحومہ سے ہوئی۔ (یہ حضرت شیخ الحدیث صاحب وحضرت صوفی صاحبؒ کی سوتیلی والدہ محترمہ تھیں اور قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء میں گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں ان کی وفات ہوئی اور یہیں وہ مدفون ہیں) ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا اوراس نومولود کا نام خواجہ عبدالغفور اخوند کے نام کی مناسبت سے عبدالغفور رکھا گیا لیکن تقدیر الٰہی غالب آ گئی اوران کا جوانی ہی میں انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد تقریباً تیس سال تک حضرت شیخ کے والد محترم کے ہاں باوجود والدہ مرحومہ کے علاج معالجہ کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

جب آپ کے والد محترم کی عمر تقریباً ساٹھ سال ہوئی تو آپ کی سوتیلی والدہ مرحومہ اور خاندان کے بعض دیگر بزرگوں نے اولاد کی غرض سے ان کو دوسری شادی پر مجبور کیا تو ابتدا میں تو وہ پہلوتہی کرتے رہے مگر بالآخر وہ بھی راضی ہو گئے اور ڈنہ کے مقام کے چیچی خاندان کی پندرہ وسولہ سال کی ایک خاتون سے جن کا نام بی بی بخت آور تھا خاصی کش مکش کے بعد نکاح ہو گیا۔ دونوں کی عمروں کے نامناسب ہونے کی وجہ سے بعض رشتہ دار ابتدائی مرحلہ میں سخت مخالف تھے۔ بالآخر یہ سب راضی ہو گئے۔ یہ حضرت شیخ کی حقیقی والدہ محترمہ تھیں۔ شادی کے بعد ان کے بطن سے ۱۹۱۱ء میں ایک بیٹی حکم جان پیدا ہوئی۔ دوسرا بیٹا ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوا جس کا نام محمد سرفراز خان رکھا گیا جو بعد میں امام اہلسنت، استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر کے نام سے معروف ہوئے۔ تیسرا ہونہار فرزند ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوا جن کو علمی دنیا میں مفسر قرآن، شیخ المفسرین والمحدثین حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ کے نام سے شہرت دوام حاصل ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۲۰ء میں ایک بیٹی، بی بی خانم مرحومہ پیدا ہوئی (جن کی وفات ۱۹۴۴ء میں لاہور میں ہوئی اور وہ باغبانپورہ کے قبرستان میں مدفون ہیں کیونکہ اس وقت ان کے خاوند دولت خان ساکن اچھڑیاں وہاں ٹیکسالی میں ملازم تھے) ۱۹۲۰ء میں جب بی بی خانم مرحومہ پیدا ہوئیں تو ابھی تقریباً وہ چالیس دن کی تھیں کہ ان کی حقیقی والدہ بی بی بخت آور مرحومہ چیچک کی بیماری میں مبتلا ہو کر تقریباً پچیس سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ یوں یہ چاروں بہن بھائی اپنی حقیقی ماں کی مامتا سے محروم ہو گئے اور وہ بھی اپنے معصوم بچوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے آخرت کو روانہ ہو گئیں۔ ان کے دل میں کیا کیا حسرتیں ہوں گی، کون اندازہ کرسکتا ہے! ان تمام حسرتوں کے عوض اللہ تعالی مرحومہ کو جنت الفردوس مرحمت فرمائے۔ حقیقی والدہ کے انتقال سے پہلے بھی چاروں بہن بھائی سوتیلی والدہ کی گود میں رہتے تھے اور حقیقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والدہ کی وفات کے بعد تو گود ہی وہی تھی۔ حضرت شیخ صاحب اپنی سوتیلی والدہ محترمہ کے حسن سلوک کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: ''یہ بالکل ایک حقیقت ہے کہ ایسی نیک دل خدمت گزار، ہمدرد اور شفیق ومہربان سوتیلی والدہ شاید کسی کو میسر ہوئی ہو جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں مرحمت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار میں جگہ مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔''

تعلیم کا آغاز: حضرت شیخ الحدیث صاحب نے جب ہوش سنبھالا تو زمینداری طریقہ سے گھر کے سب کام کاج میں ہاتھ بٹانے لگے لیکن آپ کے والد مرحوم کو آپ کی تعلیم کی بے حد فکر تھی اور اس پسماندہ اور غیر معروف بستی میں تعلیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن حسن اتفاق سے آپ کے ایک پھوپھی زاد بھائی محترم سید فتح علی شاہ صاحب بن سید دین علی شاہ صاحب مرحوم ساکن لمبی بٹل میں واقع ایک سکول میں چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے۔ ۱۹۲۷ء میں جب آپ تیرہ برس کی عمر کو پہنچے تو آپ کے والد محترم نے آپ کو اپنے بھانجے سید فتح علی شاہ صاحب کی نگرانی میں بٹل کے سکول میں پہلی جماعت میں داخل کروا دیا۔ اس وقت آپ کی رہائش بٹل کی ایک بڑھیا خاتون کے ہاں تھی۔ اس بڑھیا کا گھر یعقوب خان مرحوم کے گھر کے قریب ہی تھا۔ حضرت شیخ اس خاتون کے ہاتھ کے پکے ہوئے لذیذ کھانوں کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ اپنے ایک مضمون میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔ مکئی کی روٹی اور کڑی اس مائی کے ہاتھ کی پکی ہوئی اب تک یاد ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر دے۔

آپ کے پھوپھی زاد بھائی سید فتح علی شاہ نہ معلوم وجوہ اور اسباب کی بنا پر بٹل سے ملک پور چلے گئے اور وہاں فقیرا خان مرحوم کی مسجد میں بحیثیت امام اپنے فرائض سرانجام دینے لگے اور شیر پور کے مڈل سکول میں داخل ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کے والد محترم بھی آپ کو ملک پور چھوڑ آئے۔ اس وقت آپ کی رہائش ملک پور کی مسجد میں سید فتح علی شاہ کے پاس تھی اور حصول تعلیم کے لیے آپ اپنے برادر محترم کے ہمراہ روزانہ شیر پور کے مڈل سکول میں جایا کرتے تھے۔ آپ نے شیر پور کے مڈل سکول سے دوسری جماعت پاس کی اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے برادر محترم سے قاعدہ ناظرہ قرآن کریم اور ضروری دینی مسائل کی تعلیم حاصل کی۔

برادر محترم نے شیر پور میں مڈل سکول پاس کر لیا اور آپ دوسری جماعت سے تیسری جماعت میں پہنچ گئے۔ اسی موقع پر آپ کے والد محترم نے حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی کو بھی حصول تعلیم کے لیے ملک پور پہنچا دیا۔ یہ حضرت صوفی صاحب کا پہلا سفر تھا لیکن چونکہ اپنے ہی رشتہ دار چند ہم عصر ساتھی پہلے سے وہاں موجود تھے، اس لیے انہوں نے کوئی زیادہ تکلیف محسوس نہ کی۔ (اس زمانہ میں اخبار زمیندار بہت عروج پر تھا اور افغانستان میں بچہ سقہ کی شورش کی شہ سرخیاں اخبارات میں نمایاں ہوئی تھیں)۔

اس زمانہ میں بطل حریت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی اور محترم جناب غلام احمد (عرضی نویس) کی کوششوں سے ایک دینی مدرسہ اصلاح الرسوم کے نام سے قائم ہوا اور سید فتح علی شاہ اس مدرسہ میں داخل ہو گئے اور رہائش مانسہرہ کے قریب گنڈا کی مسجد میں رکھی۔ حضرت شیخ اور حضرت صوفی صاحب دونوں بھائی ملک پور سے کوچ کر کے گنڈا چلے گئے اور مانسہرہ کے مدرسہ اصلاح الرسوم میں داخل ہو گئے۔ حضرت شیخ تیسری جماعت اور حضرت صوفی صاحب ابتدائی جماعت میں تھے۔ اس مدرسہ میں حضرت شیخ نے تیسری جماعت تکمیل کی اور دینی مسائل پر مشتمل ابتدائی کتاب تعلیم الاسلام اور نحو کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابتدائی کتاب نحو میر حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی سے پڑھی۔ اس مدرسہ میں زیر تعلیم طلبہ کو فن تقریر بھی سکھایا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنی استعداد کے مطابق تقریر کا فن بھی سیکھا، اس دوران دونوں بھائی پیدل ہی گھر آجایا کرتے تھے۔ اس وقت بس وغیرہ کا کوئی انتظام نہ تھا اور آپ کے والد محترم بھی اکثر خبر گیری کے لیے تشریف لاتے اور دیکھ بھال کر تسلی دے کر کچھ رقم دے کر چلے جاتے۔

کٹھن اور مشکل حالات: اس اثنا میں آپ کے دادا محترم غالباً ۱۹۳۰ء کو رمضان المبارک کے مہینہ میں بحالت روزہ وفات پا گئے۔ چونکہ اس وقت سواری کا انتظام نہ ہوتا تھا، اس لیے دونوں بھائیوں کو اطلاع نہ بھیجی جا سکی، جب کہ گنڈا اور آپ کے گھر کے درمیان چھبیس میل کی مسافت تھی۔ دادا محترم کے انتقال کے ایک سال بعد رمضان المبارک ہی کے مہینہ میں ۱۹۳۱ء کے قریب آپ کے والد محترم کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس موقع پر دونوں بھائی حضرت شیخ اور حضرت صوفی صاحب گھر میں ہی تھے۔ چنانچہ دونوں بھائی اپنے دیگر رشتہ داروں کے ساتھ والد مرحوم کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے اور آپ کے والد مرحوم کو ''پادرے'' کے قبرستان میں ان کے والد محترم (حضرات شیخین کے دادا مرحوم) کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اسی پادرے کے قبرستان میں آپ کی حقیقی والدہ محترمہ بھی مدفون ہیں۔

آپ کی حقیقی والدہ محترمہ تو پہلے ہی انتقال فرما چکی تھیں اور پھر ۱۹۳۱ء میں والد محترم کے انتقال کے بعد ایک سخت ابتلا و آزمائش کا دور شروع ہوا۔ حضرت شیخ صاحب کبھی کبھی اس زمانہ کو یاد کر کے خود فرمایا کرتے تھے: ''ہم نے یتیمی کی حالت میں بڑی غربت دیکھی ہے۔ ہمارے پاس کبھی کبھی پہننے کے لیے جوتے نہیں ہوتے تھے اور ہمارے کپڑے بہت پرانے ہوتے تھے''۔ بہرحال یتیموں کی داستان خاصی دردناک اور طویل ہوا کرتی ہے جس سے حضرات شیخین کو بھی دوچار ہونا پڑا۔ حضرت شیخ کی زندگی میں بہت سارے نشیب و فراز آئے، تلخ و ترش حالات سے دوچار ہوئے، دنیا کی دھوپ چھاؤں دیکھی، لیکن غیرت و خودداری کے ٹھوس جذبے کو کبھی ٹھیس نہیں لگنے دی۔ آپ کو یہ پاکیزہ جذبہ اپنے آباء و اجداد سے موروثی طور پر ملا تھا۔ چنانچہ آپ کے والد محترم کے انتقال کے بعد آپ کی آبائی زمین پر لوگ صرف اس وجہ سے قابض ہو گئے تھے کہ یہ زمین آپ کے خاندان کے نام نہ تھی جس کی وجہ بھی یہی تھی کہ آپ کے آباو اجداد میں غیرت و خودداری بدرجہ کمال موجود تھی۔

جب مانسہرہ میں ایک انگریز افسر زمینوں کے سرکاری کاغذات وغیرہ بنانے کے لیے آیا تو لوگوں نے آپ کے دادا گل احمد خانؒ کو توجہ دلائی کہ کاغذات وغیرہ بنوا کر زمین اپنے نام لکھوا لو۔ انگریزوں کی نفرت ان کے رگ و پے میں اس قدر سمائی ہوئی تھی کہ انہوں نے زمین کے کاغذات وغیرہ بنوانے کے لیے بھی اس قوم کے ایک انگریز افسر کے پاس جانا بھی مناسب نہ سمجھا اور جواب دیا ''میں اس سور کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا''۔ والد مرحوم کے انتقال کے بعد بظاہر تحصیل علم کے تمام اسباب مسدود ہو گئے تھے، لیکن جب مسبب الاسباب کسی خوش قسمت کو اپنے دین متین کی خدمت کے لیے منتخب فرما لیں تو اسباب خود ہی مرحمت فرما کر اسباب اور راحت و آسائش کی دنیا میں پلنے، بڑھنے والوں پر اپنی شان بے نیازی ظاہر فرماتے ہیں تاکہ ان پر یہ حقیقت واضح آجائے کہ وہ قادر مطلق ناتواں اور کمزوروں سے بھی خدمت دین کا کام لینے پر قادر ہے۔ ان المقادیر اذا ساعدت الحقت العاجز بالقادر (جب تقدیر الٰہی مدد کرتی ہے تو عاجز کو قادر کے ساتھ ملا دیتی ہے)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کے والد محترم کی وفات کے بعد خاندان کا شیرازہ کچھ ایسا بکھرا کہ اس کے بعد آپ سب بہن بھائی اور سوتیلی والدہ محترمہ کبھی اکٹھے نہیں رہ سکے۔ کہیں دو اکٹھے ہو جاتے اور کہیں تین، آپ کی سوتیلی والدہ محترمہ اور چھوٹی ہمشیرہ بی بی خانم مرحومہ کو آپ کی سوتیلی والدہ کے بھانجے حاجی گوہر امان خان اچھڑیاں لے گئے۔ بڑی ہمشیرہ کو پھوپھی درمرجان صاحبہ لمی لے گئیں جن کے فرزند سے آپ کے والد مرحوم اپنی زندگی ہی میں انکی منگنی کر چکے تھے۔ حضرات شیخین دونوں بھائی کبھی لمی اور کبھی اچھڑیاں اور کبھی کورے میں اور زیادہ تر مسجدوں میں وقت گزارتے۔ گھر کا اثاثہ، سامان اور جانور کچھ اس انداز سے تقسیم کیے گئے کہ آج تک وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ ان سے فائدہ کس کس نے اٹھایا۔ اس دور میں سید فتح علی شاہ مرحوم کی شادی ہو گی اور وہ باوجود شوق کے تعلیم جاری نہ کر سکے اور اکثر گھر ہی میں رہنے لگے اور حضرات شیخین گنڈا سے نکل کر ادھر ادھر چلے گئے۔

والد مرحوم کی وفات کے بعد گھر کے اجڑنے اور گنڈا سے نکل چکنے کے بعد تھوڑے عرصہ میں خاصی جگہیں بدلنا پڑیں چنانچہ آپ کچھ عرصہ بٹل میں پڑھتے رہے اس کے بعد ہروڑی پائیں میں حضرت مولانا سخی شاہؒ کے پاس رہے۔ وہاں نورالایضاح اور صرف کی کچھ ابتدائی گردانیں یاد کیں۔ اس کے بعد کھکھو میں حضرت مولانا عیسیٰؒ کے پاس رہے اور سنگل کوٹ میں مولانا احمد نبیؒ صاحب کے پاس رہے اور نحو میر کا کچھ حصہ پڑھا پھر بائی پائین میں کچھ عرصہ رہے لیکن ان تمام جگہوں میں تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکا اور تعلیمی کام نہ ہونے کے برابر رہا۔ اس دوران حضرت صوفیؒ صاحب زیادہ تر اچھڑیاں اور کورے میں رہے اور کبھی کبھار لمی چلے جاتے۔

اس اثنا میں ایک خوش قسمت اور نیک دل بزرگ نے آپ کو مشورہ دیا کہ تمہارا وطن میں کیا دھرا ہے، کہیں جا کر تعلیم حاصل کرو۔ چنانچہ حضرت شیخ اپنے برادر عزیز حضرت صوفی صاحبؒ کو ساتھ لے کر ۱۹۳۳ء کے لگ بھگ حصول علم کے لیے روانہ ہوئے۔ کیا ہی صاحب بصیرت تھے وہ رجل مومن جنہوں نے مستقبل کی ان دو عبقری شخصیات کو حصول علم کا مشورہ دیا اور رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے نکلی ہوئی اس خوش خبری کا مصداق ٹھہرے۔ الدال علی الخیر کفاعلہ۔ نیکی اور خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔ چنانچہ دونوں بھائی سفر کرتے ہوئے کوئٹہ (بلوچستان) جا پہنچے اور وہاں کوئٹہ کے متصل ایک بستی میں ایک پرانے طرز کے مدرسہ میں داخل ہو گئے۔ یہ مدرسہ ایک مسجد میں قائم تھا اس مدرسہ میں ابتدائی کتابیں پڑھنا شروع کر دیں لیکن کچھ عرصہ بعد نہ معلوم وجوہ کی بنا پر دونوں بھائی کوئٹہ سے عازم سفر ہوئے اور کلکتہ جا پہنچے وہاں کچھ دن رہ کر پھرتے پھراتے پھر وطن پہنچ گئے۔ اس کے بعد حضرت شیخ دوبارہ اپنے ایک رفیق سفر کے ہمراہ جو چھٹہ بٹہ کا رہنے والا تھا عازم سفر ہوئے اور اجمیر شریف جا پہنچے کچھ عرصہ اجمیر شریف قیام کے بعد دوبارہ وطن واپس آ گئے۔

اجمیر شریف سے واپسی پر آپ شیٹر کے مقام پر واقع گجر برادری کی ایک مسجد میں امامت کرنے لگے۔ اس مسجد کے آس پاس کوئی گھر نہ تھا۔ کبھی کچھ لوگ نماز کے لیے آجاتے تو جماعت ہو جاتی اور کبھی کوئی نہ آتا تو آپ اکیلے ہی اذان کہہ کر نماز پڑھ لیتے۔ ان دنوں آزاد قبائل انگریز کے خلاف برسر پیکار تھے جن کی قیادت مشہور مجاہد مولانا اللہ داد خان کرتے تھے۔ لمی سے تقریباً دو میل کی مسافت پر آزاد علاقہ شروع ہوتا تھا، جہازوں کی بمباری کے علاوہ توپوں مشین گنوں حتیٰ کہ رات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے وقت رائفلوں کی فائرنگ کی آواز سنائی دیتی تھی۔حضرت شیخ نے ان دنوں شوق جہاد میں ایک تلوار بھی خریدی جبکہ آپ کے پاس بندوق تو پہلے ہی سے موجود تھی۔

لمبی کے ایک بزرگ سید محمود شاہ نے ایک مرتبہ آپ کو پاس بٹھا کر بڑے نرم لہجہ میں آپ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''سرفراز! تو خاصا ذہین اور محنتی آدمی ہے اور ابھی تمہاری عمر بھی کوئی زیادہ نہیں، کہیں جا کر علم حاصل کرو اور ان گوجروں کی مسجد میں اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کرو۔'' ان کی اس نصیحت کا دل پر گہرا اثر ہوا، چنانچہ دفعتاً آپ کا وہاں سے دل اچاٹ ہو گیا اور آپ اپنے پھوپھی زاد بھائی محمد ایوب خان اور حضرت صوفی صاحبؒ کے ہمراہ ہری پور جا پہنچے وہاں سے کھلا بٹ ہوتے ہوئے دوڑ کی ندی کے کنارے پر نام کی ایک چھوٹی سی بستی میں مقیم ہو گئے اور پکا پیالہ میں دن کو جا کر سبق پڑھ آتے اور رات کو اپنے مستقر پر آ جاتے۔ پہاروں نامی بستی کے ایک معمر بزرگ جناب سکندر خان آپ کے کھانے وغیرہ کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت صوفی صاحب سوتیلی والدہ مرحومہ اور چھوٹی حقیقی ہمشیرہ مرحومہ کے پاس واپس اچھڑیاں چلے آئے جب کہ آپ خانپور (جو ہری پور سے جنوب مشرق کی طرف روہی کی ندی کے کنارے سرسبز علاقہ ہے اور راجوں کا خان پور کہلاتا ہے) چلے گئے اور وہاں لوہاروں کی ایک مسجد میں قیام پذیر ہو گئے اور اسی مسجد کے امام حضرت مولانا عبدالعزیزؒ سے صرف کی ابتدائی کتابیں شروع کر دیں۔ آپ چند ماہ وہاں رہے اور یہاں بھی تعلیمی کام نہ ہونے کے برابر رہا۔اس دوران آپ اکثر اوقات حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی بکریاں چرایا کرتے تھے، آپ دو تین میل باہر پہاڑوں پر چلے جاتے اور وہاں سے بکریوں کے لیے چارہ وغیرہ لاتے۔اس دوران مولانا عبدالعزیز نے اپنی ہی برادری کی ایک لڑکی سے آپ کی شادی کرنے کی سعی شروع کر دی۔ جب آپ کو اس پتہ چلا تو آپ واپس وطن چلے آئے اور وہاں سے اپنے برادر عزیز حضرت صوفی صاحبؒ کو لے کر لاہور چلے آئے۔

حصول علم کے لیے لاہور آمد: آپ اپنے برادر عزیز کے ہمراہ حصول علم کے لیے مصری شاہ لاہور پہنچے اس زمانہ میں مصری شاہ لاہور میں ایک ڈاڑھی منڈے مولوی صاحب رہتے تھے جن کا نام عبدالواحد تھا اور عرب استاد کے نام سے مشہور تھے۔موصوف صرف ونحو میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔عربی زبان بڑی روانی سے بولتے تھے اور پشتو بھی بڑی فصیح اور سلیس بولتے تھے۔ان کی علمی شہرت کی وجہ سے ان کے پاس دور دراز سے طلبا نحو کی مشکل اور دقیق کتب ''عبدالغفور'' اور ''مغنی اللبیب'' وغیرہ پڑھنے کے لیے آتے تھے۔دونوں بھائیوں کی جب عرب استاذ صاحب سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ طلبہ پڑھنے کا بے حد شوق رکھتے ہیں لیکن ناتجربہ کاری کی وجہ سے کسی مناسب تعلیمی درسگاہ میں نہیں پہنچ سکے تو انہوں نے دونوں بھائیوں کو تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں واقع اک گاؤں مرہانہ میں حضرت مولانا غلام محمدؒ کے پاس بھیج دیا، چنانچہ حضرت شیخ صاحب اپنے برادر عزیز اور ایک اور طالب علم مولوی عبدالحق ساکن کھکھو کو لے کر مرہانہ پہنچے لیکن جب یہ تینوں ساتھی مرہانہ پہنچے تو تعلیمی داخلہ بند ہو چکا تھا۔ نیز یہ تینوں ابتدائی کتب کے طلبہ تھے اور مرہانہ کی تعلیمی درسگاہ میں طلبہ کی تعداد پہلے ہی سے زیادہ ہو چکی تھی اس لیے حضرت مولانا غلام محمدؒ نے داخلہ سے تو معذوری ظاہر کر دی لیکن اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزائے خیر دے کہ انہوں نے ان کی صحیح رہنمائی کرتے ہوئے انہیں مرہانہ سے چند میل کی مسافت پر واقع ایک قصبہ وڈالہ سندھواں میں حضرت مولانا محمد اسحاق رحمانی ساکن چونیاں منڈی کی خدمت میں بھیج دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باقاعدہ تعلیم: حضرت شیخ اور حضرت صوفی صاحبؒ کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز ضلع سیالکوٹ کے اسی مشہور قصبہ وڈالہ سندھواں سے ہوا۔ اس قصبہ میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی کے ایک شاگرد حضرت مولانا اسحاق رحمانی مسند تدریس پر رونق افروز تھے۔ آپ غضب کے ذہین بہترین مدرس اور چوٹی کے مقرر تھے۔ مسلکاً اہل حدیث تھے مگر خاصے معتدل تھے۔ فروعی مسائل میں نزاع اور اختلاف پسند نہ کرتے تھے۔ جب حضرت شیخ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ سے داخلہ کا امتحان لیا اور معرفہ ونکرہ کی تعریف دریافت فرمائی اور بھی بعض سوالات کیے۔ جب آپ نے فی الفور صحیح جوابات دے دیے تو بہت خوش ہوئے اور آپ کو اور آپ کے برادر عزیز کو داخلہ دے دیا۔ وڈالہ سندھواں کی مرکزی دو منزلہ مسجد میں تقریباً دو سال آپ مولانا محمد اسحاقؒ کے پاس زیر تعلیم رہے۔ آپ نے سبعہ معلقہ، شرح جامی اور قطبی تک کتابیں وڈالہ سندھواں ہی میں پڑھیں جب کہ حضرت صوفی صاحبؒ کی ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں۔ تقریباً دو سال کے بعد حضرت صوفی صاحبؒ اپنے ایک اور رفیق درس مولانا سید امیر حسن شاہ ساکن تھب تحصیل باغ ضلع پونچھ کے ہمراہ بغیر اطلاع وڈالہ سندھواں سے چلے گئے۔

جب حضرت صوفی صاحب وڈالہ سندھواں سے بغیر کچھ بتلائے چلے گئے تو حضرت شیخ وڈالہ سندھواں میں اکیلے رہ گئے۔ پھر کچھ دنوں بعد آپ ان کی تلاش میں نکلے۔ غربت کا زمانہ تھا رقم پاس نہ تھی چنانچہ پیدل ہی وہاں سے گوجرانوالہ پھر قلعہ دیدار سنگھ پھر حافظ آباد اور پھر وہاں سے ونیکے تارڑ پہنچے۔ ان تمام مقامات پر اس زمانہ میں دینی کتب پڑھائی جاتی تھی اور بیرونی طلبہ پڑھتے تھے، مگر ان مقامات پر حضرت صوفی صاحب کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ بالآخر آپ کشتی کے ذریعے دریائے چناب کو عبور کرتے ہوئے قادر آباد اور پھر وہاں سے ''انھی'' کی مشہور درسگاہ میں جا پہنچے جہاں ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ یادگار اسلاف حضرت مولانا ولی اللہؒ (جانشین ماہر معقول ومنقول حضرت مولانا غلام رسولؒ) پڑھاتے تھے۔

انھی کی درسگاہ بلا مبالغہ برصغیر کی مشہور درسگاہوں میں سے ایک ہے جہاں ممتاز اصحاب علم وکمال زیر تعلیم رہے۔ یہ درسگاہ پہلے تو ماہر معقول ومنقول حضرت مولانا غلام رسولؒ کے دم قدم سے آباد رہی پھر آپ ہی کے شاگرد رشید استاذ العلماء حضرت مولانا ولی اللہؒ کی محنت اور توجہ نے اس کو مرکز علم وعرفان بنا دیا۔ مختلف علاقوں سے ذہین اور باذوق طلبہ کا اس چھوٹے سے قصبے میں ہجوم رہتا تھا۔ حضرت شیخ بھی حضرت صوفی صاحب کو تلاش کرتے ہوئے انھی کی اس درسگاہ میں پہنچ کر شریک درس ہو گئے۔ آپ انھی سے چند میل دور ککہ میں مقیم ہو گئے جہاں کشمیر کے مولانا عبد المجید صاحب بھی رہتے تھے۔ صبح سویرے دونوں ہی پیدل چل کر انھی آجاتے اور سبق پڑھ کر ظہر تک واپس چلے جاتے۔

انھی میں طریقہ تعلیم یہ تھا کہ طالب علم ہر فن کی کتاب کا مطالعہ کرتا اور خوب سمجھ کر کتاب کا مطلب استاد کے سامنے بیان کر دیتا اور غلطی پر استاد اس کی اصلاح کر دیتے۔ اس طریقہ سے طالب علم بمشکل ایک دو سبق ہی حل کر سکتا۔ نہایت ہی ذہین طالب علم تین اسباق پڑھ سکتا تھا۔ اس طرز سے طلبہ میں مطالعہ اور کتابوں کو سمجھنے اور حل کرنے کا جذبہ بخوبی اجاگر ہوتا تھا۔ آپ نے اسی طریقہ تعلیم سے اس مشہور درسگاہ میں سے درس نظامی کی دقیق اور مشکل کتب خیالی، میبذی اور ملا حسن وغیرہ پڑھیں۔

پھر آپ نے اپنے برادر عزیز کی تلاش میں رخت سفر باندھا اور انھی سے پکھی، منڈی بہاؤالدین، ملکوال، پنڈ دادخان، بھیرہ، خوشاب سے ہوتے ہوئے شاہ پور اور پھر وہاں سے سرگودھا اور وہاں سے تقریباً بیس میل دور جہان آباد پیدل پہنچے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں سے آپ کو اتنا معلوم ہوا کہ صوفی صاحب بمع اپنے رفیق کے یہاں آئے تھے اور کچھ دن یہاں رہے ہیں اور پھر چلے گئے ہیں چنانچہ آپ وہاں ایک رات رہ کر پھر عازم سفر ہوئے اور خوشاب، واں بھچراں، کندیاں، کلورکوٹ سے ہوتے ہوئے لائل پور (فیصل آباد) کے ایک قصبہ بازاروالا میں واقع بریلوی مسلک کی ایک درسگاہ میں جا پہنچے جہاں بیرونی طلبہ بھی رہتے تھے۔ اس درسگاہ سے اتنا معلوم ہوا کہ حضرت صوفی صاحب بمع اپنے رفیق کے ملتان میں مولانا عبدالعلیم صاحب کے مدرسہ میں زیر تعلیم ہیں۔

چنانچہ آپ فیصل آباد سے ملتان روانہ ہوئے اور مولانا عبدالعلیم صاحب کے مدرسہ میں جا پہنچے جہاں آپ کی ملاقات حضرت صوفی صاحب اور ان کے رفیق درس حضرت مولانا سید امیر حسن صاحب سے ہوئی۔ حضرت شیخ اپنی اس ملاقات کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: ''راقم فیصل آباد سے روانہ ہو کر ملتان پہنچا اور عزیزم عبدالحمید بمع اپنے رفیق کے وہاں موجود تھا۔ ملاقات ہوئی، گلہ شکوہ اور سفر کی تکلیفوں کا تذکرہ بھی ہوا اور ملاقات کر کے خوشی بھی ہوئی''۔ تینوں حضرات کچھ عرصہ مولانا عبدالعلیم کے مدرسہ ہی میں رہے، اور موصوف سے علم میراث کا ایک رسالہ پڑھا جس کے مصنف خود ہی مولانا تھے۔ حضرت شیخ موصوف کی مسلکی وابستگی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: ''مولانا بہت معمر تھے۔ ان کے فرزند مولانا عبدالحلیم اور ان کے فرزند مولانا عبدالکریم اور ان کے فرزند مولانا عبدالشکور سب زندہ تھے۔ لانگے خان کے باغ کے قریب ان کی مسجد تھی اور اس میں درس کتب جاری تھا۔ یہ حضرات نہ پکے دیوبندی اور نہ پختہ بریلوی تھے بلکہ بین بین تھے۔ علم اور علما سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔'' جب تعلیمی سال ختم ہوا تو تینوں حضرات وہاں سے روانہ ہو کر ملتان کے قریب ہی پیراں غائب کے مقام پر پہنچے اور اتفاقاً وہاں ایک امام مسجد میاں عبداللہ سے ملاقات ہوگئی۔ میاں صاحب سادات کی بڑی قدر کرتے تھے اور حسن اتفاق تینوں رفقائے سفر میں سے ایک رفیق سفر سید امیر حسن شاہ سادات کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے تینوں حضرات کی بڑی قدر کی اور ان کے اصرار پر تینوں نے رمضان المبارک کا مہینہ ان کے ہاں گزارا۔

۱۹۳۷ء میں آپ حضرت صوفی صاحب اور سید امیر حسن شاہ کے ہمراہ حصول علم کے لیے جہانیاں منڈی میں مولانا غلام محمد لدھیانویؒ کی خدمت حاضر ہوئے۔ موصوف حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری کے شاگرد اور فضلائے دیوبند میں سے تھے اور جہانیاں منڈی کی مرکزی مسجد کے خطیب اور مدرس تھے۔ مسجد کے متصل طلبہ کی رہائش کے لیے کمرے تھے۔ چنانچہ وہاں اسباق شروع ہوگئے۔ اسباق شروع ہونے کے چند دن بعد دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلا میں سے مولانا عبدالخالق مظفرگڑھی بھی بحیثیت مدرس وہاں تشریف لے آئے۔ حضرت شیخ نے وہاں عبدالغفور، حمداللہ، مسلم الثبوت اور مختصر المعانی وغیرہ کتابیں پڑھیں جب کہ حضرت صوفی صاحب نے ملا حسن اور شرح جامی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ تینوں رفقا ایک سال جہانیاں منڈی کے مدرسہ رحمانیہ میں زیر تعلیم رہے۔

جہانیاں منڈی میں تعلیمی سال کے اختتام کے قریب مولانا سید امیر حسن شاہ کے اصرار پر تینوں رفقا گوجرانوالہ کے لیے روانہ ہوئے اور رمضان سے قبل ہی مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں نئے سال کے داخلہ کی منظوری لے لی۔ اس وقت مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ کے مہتمم محدث گوجرانوالہ مولانا عبدالعزیز (متوفی ۱۳۵۹ھ) تھے۔ آپ فضلائے دیوبند میں سے تھے اور وسیع النظر، علم حدیث اور طبقات رواۃ پر بڑی گہری نگاہ رکھنے والے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داخلہ کی منظوری کے بعد دونوں بھائیوں نے رمضان المبارک میں گوجرانوالہ حافظ آباد اور شیخوپورہ کے بہت سے دیہات کا تبلیغی اور اکتسابی دورہ کیا۔ رمضان المبارک کے بعد ماہ شوال میں مدرسہ انوار العلوم تشریف لے آئے۔ اس وقت مدرسہ انوار العلوم میں حضرت مولانا عبدالقدیرؒ صدر مدرس تھے۔ مولانا عبدالقدیر کیمل پوری عوامی حلقوں میں تو زیادہ معروف نہ تھے لیکن تدریسی حلقوں میں آپ کو ایک مایہ ناز استاد، محقق دوراں اور شیخ المعقول والمنقول کے نام سے شہرت حاصل تھی۔ اگر آپ کو برصغیر کی چوٹی کے مدرسین کی فہرست میں شمار کیا جائے تو تدریسی میدان کے وابستگان جانتے ہیں کہ یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ موصوف حضرت مولانا سید انور شاہ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے۔ حضرات شیخین تقریباً تین سال مدرسہ انوار العلوم میں رہے اور یہ وہ دور تھا جس میں ہٹلر کی اتحادیوں سے جنگ عظیم چھڑی ہوئی تھی اور سرکار برطانیہ کی قوت کی چولیں ڈھیلی دکھائی دیتی تھی۔ حضرت شیخ اپنے علمی ذوق وشوق کے بارے میں خود فرمایا کرتے تھے ''میرا تعلیمی ذوق وشوق اور علمی استعداد استاد محترم حضرت مولانا عبدالقدیر کی خصوصی شفقت اور توجہ کی مرہون منت ہے''۔ استاد محترم آپ کے ذوق وشوق، قوت حافظہ اور علمی استعداد سے اس قدر مطمئن تھے کہ زمانہ طالب علمی ہی میں اپنی نگرانی میں آپ کو تدریس کا موقع عطا فرما کر آپ کی علمی لیاقت پر اعتماد کیا۔

مفسر قرآن شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ اپنے استاذ محترمؒ کی شفقت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: ''احقر نے تقریباً تین سال دوران تعلیم آپ کی خدمت میں گزارے۔ شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر تو آپ کے اجل تلامذہ میں سے تھے ان کی ذہانت اور فطانت کی وجہ سے مولانا ان کا بہت خیال فرماتے تھے، لیکن احقر کی طبعی خاموشی اور مسکینی کی وجہ سے اور اس لیے کہ صبح کی نماز باجماعت ادا کرتا تھا، بہت لحاظ فرماتے تھے۔'' حضرات شیخین نے موقوف علیہ تک کی تمام اہم کتابیں انہی سے پڑھیں۔ راقم کے استفسار پر ایک مرتبہ حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں نے تمام اہم کتابیں مثلاً ہدایہ اولین، اخیرین، تفسیر جلالین، تفسیر بیضاوی، تصریح، اقلیدس، صدرا، قاضی مبارک، شمس بازغہ، شرح نخبۃ الفکر، حسامی، توضیح وتلویح، حمد اللہ، خیالی، متن متین، ملاحسن اور حماسہ وغیرہ کتابیں حضرت ہی سے پڑھیں جبکہ مطول، سراجی، شرح وقایہ وغیرہ کتب مدرسہ انوار العلوم میں مفتی شہر حضرت مولانا مفتی عبدالواحدؒ سے پڑھیں۔

جب آپ مدرسہ انوار العلوم سے اپنے اسباق کی تکمیل کر چکے تو آپ کے دل میں یہ پاکیزہ جذبہ پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی نامور علمی ودینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی روح پرور اور ایمان افروز فضا میں دینی تعلیم کا آخری سال گزاریں اور اسی درسگاہ سے سند فراغت حاصل کریں، لیکن آپ کو اپنے شوق کی تکمیل کے لیے دو برس مزید انتظار کرنا پڑا۔ چونکہ آپ کی خواہش تھی کہ آپ کے برادر عزیز مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ بھی آپ کے ساتھ ہی دارالعلوم دیوبند جائیں، لہٰذا جب انہوں نے اپنے اسباق مکمل کر لیے تو پھر اپنے برادر عزیز کے ہمراہ دارالعلوم کی طرف عازم سفر ہوئے۔ حضرت صوفی صاحب جب مدرسہ انوار العلوم میں اپنے اسباق کی تکمیل کر رہے تھے تو اس دوران حضرت شیخ بحکم استاد محترم تقریباً ڈیڑھ سال پرائیویٹ طور پر ایک جگہ پچیس روپے ماہانہ مشاہرہ پر مولوی فاضل کا کورس پڑھاتے رہے۔

مصری شاہ لاہور میں تحصیل علم کے لیے تشریف آوری سے لے کر مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں اسباق کی تکمیل تک حضرات شیخین کا اپنے رشتہ داروں سے کوئی رابطہ نہ ہوا۔ کچھ پتہ نہ تھا کہ دونوں بھائی کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرات شیخین کی والدہ محترمہ اورآپ کی ہمشیرگان ان کے بارے میں سخت متفکر اور پریشان تھیں۔ اس زمانہ میں آپ کی برادری کے ایک بزرگ محترم گل خان ساکن اچھڑیاں راہوالی میں ریلوے کے محکمہ میں ملازم تھے۔ ان کی وساطت سے گھر والوں کو دونوں بھائیوں کی خیریت معلوم ہوئی۔ چنانچہ آپ کے خالہ زاد بھائی حاجی گوہرامان خان ملاقات کے لیے گوجرانوالہ تشریف لائے اوران کے ذریعہ گھر اور خاندان کے دیگر افراد کی خیر وعافیت کا حضرات شیخین کو بھی علم ہوا۔ پھر چند دنوں بعد حضرت شیخ وطن تشریف لے گئے اوراعزہ واقارب سے ملاقات ہوئی اور بعض مقامات پر تقریریں بھی کیں۔ حضرت شیخ نے چندروزاپنے وطن میں قیام کیااور واپس گوجرانوالہ تشریف لے آئے۔

دارالعلوم دیوبند کا سفر: ۱۹۳۹ء میں حضرات شیخین نے اپنے چند دیگر رفقا کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند کی طرف رخت سفر باندھا۔ جب آپ دارالعلوم دیوبند پہنچے تواس وقت دارالعلوم کی مسند تدریس پر بہت سی ایسی ہستیاں رونق افروز تھیں جن کو بجاطور پر علمی دنیا میں مسند تدریس کی آبرو کہا جاسکتا ہے۔ بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمدؒ مدنی مدینۃ الرسول میں ایک عرصہ تک علم وعرفان کے موتی بکھیر کراور وہاں کے علمی وروحانی سوتوں سے بقدر توفیق الٰہی اپنی روح کو سیراب کر کے واپس دیوبند تشریف لا چکے تھے۔ حضرات شیخین نے دارالعلوم میں داخلہ کا امتحان دیا اور بفضلہٖ تعالیٰ کامیاب رہے اور حدیث شریف کے دورہ میں شریک ہوگئے۔ اس سال دارالعلوم میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد ۱۹۹۵ تھی جب کہ دورہ حدیث میں شریک طلبہ کی تعداد ۳۳۳ تھی۔ حضرات شیخین کے علاوہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب پلندری بھی دورۂ حدیث میں شریک تھے۔ آپ حضرات کو جن اصحاب فضل وکمال کے دامن فضل سے وابستگی اور سرچشمہ علم وفن سے کسب فیض اور اکتساب علم کا شرف حاصل ہوا، ان میں سے اکثر اس زمانہ کے عبقری رہنما اور علوم دینیہ کے ممتاز مدرس تھے۔

حضرت شیخ نے بخاری شریف اور ترمذی جلد اول حضرت مدنیؒ کے پاس پڑھی۔ حضرت مدنی صبح کے وقت دو گھنٹے ترمذی اور ایک گھنٹہ بخاری شریف جلد اول پڑھاتے تھے اور رات کے وقت بخاری جلد دوم پڑھاتے تھے۔ دوران درس طلبا کو کیسا ایمان پرور ماحول نصیب ہوتا تھا، اس کی ایک ہلکی سی جھلک حضرت صوفی صاحب کی اس تحریر میں ملاحظہ فرمائیں:

''دوران سبق شرکا کو ایسا عجیب روحانی ماحول نصیب ہوتا تھا کہ ہر شریک درس کی یہ دلی خواہش ہوتی تھی کہ کاش یہ مجلس دراز سے دراز ہوتی جائے۔ ہم کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ہمارے قلوب زنجیروں کے ساتھ عالم بالا میں جکڑے ہوئے ہیں۔ جو علما اور طلبا شریک درس ہوتے تھے، اپنے شکوک وشبہات اور اعتراضات پرچیوں پر لکھ کر بھیجتے تھے۔ آپ (حضرت مدنی) ان کو پڑھ کر ہر ایک سوال کا جواب دیتے تھے۔ کسی معترض کی تلخ کلامی یا غلط تحریر پڑھ کر کبھی ناراض نہ ہوتے تھے''۔

آپ نے مسلم شریف (کامل) حضرت مولانا ابراہیمؒ سے پڑھی جب کہ ابوداؤد مکمل اور ترمذی جلد ثانی اور شمائل ترمذی شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی سے پڑھی۔ نسائی شریف مولانا عبدالحق نافع گل، اور ابن ماجہ حضرت مولانا مفتی ضیاء الدین سے پڑھی، موطا امام مالک حضرت مولانا ادریس کاندھلوی سے اور طحاوی مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع سے پڑھی (ان تمام اساتذہ گرامی کے اسما حضرت شیخ نے خود راقم کو ایک ملاقات میں بتلائے) تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ دیگر ہم نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، خاص طور پر دارالعلوم دیوبند میں فن خطابت میں طلبہ بڑے جوش وخروش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اپنی اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھاتے تھے۔ حضرت شیخ نے تقریر کا فن تو بچپن ہی میں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی کے قائم کردہ مدرسہ اصلاح الرسوم سیکھ لیا تھا جبکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس فن میں پختگی اور حسن پیدا ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ دارالعلوم دیوبند میں ایک دو تقریر کے بعد ہی یہ تاثر قائم ہو گیا تھا کہ آپ ایک بہترین مقرر ہیں۔ علامہ صابری نے ایک مرتبہ حضرت شیخ کی تقریر سے متاثر ہو کر جو تبصرہ کیا، قارئین حضرت شیخ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ’’راقم کے بارے میں بلاوجہ ایک دو تقریروں کے بعد یہ تاثر قائم کر لیا گیا کہ یہ اچھا مقرر ہے بلکہ ایک موقع پر مشہور شاعر محمد انور صابری نے راقم کی تقریر سن کر یہ فرمایا کہ سرحدیوں میں سے یہ ابوالکلام کہاں سے پیدا ہو گیا ہے؟‘‘

حضرت مدنیؒ کی گرفتاری: دوران سال مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے مراد آباد میں ایک تقریر فرمائی۔ اس سلسلہ میں حکومت برطانیہ کی طرف سے آپ پر مقدمہ چلا اور آپ گرفتار ہو گئے۔ اس گرفتاری کے خلاف طلبہ کا مشتعل ہونا ایک فطری امر تھا، چنانچہ طلبہ نے حضرت کی گرفتاری کے خلاف زبردست احتجاج کیا حتیٰ کہ پولیس اور فوج کو مداخلت کرنا پڑی۔ طلبہ نے اپنے احتجاج کو منظّم کرنے کے لیے طلبہ میں سے متحدہ ہندوستان کے ہر صوبے کے لیے ایک ایک نمائندہ مقرر کر دیا۔ اس وقت متحدہ ہندوستان کے گیارہ صوبے تھے۔ حضرت شیخ کو صوبہ سرحد اور افغانستان کا نمائندہ مقرر کیا گیا اور پھر ان تمام نمائندوں کا صدر بھی آپ ہی کو منتخب کیا گیا۔ حضرت مدنی کی گرفتاری کے خلاف طلبہ کی اس تحریک کی قیادت میں آپ نے بھرپور قائدانہ کردار ادا کیا۔ چونکہ آپ طلبہ تحریک کے رہنما تھے اس لیے ارباب دارالعلوم دیوبند، مجلس شوریٰ کے اراکین اور حکومت کے نمائندوں کا سلسلہ بھی آپ سے وابستہ ہو گیا۔ اس نازک موقع پر آپ ارباب دارالعلوم، مجلس شوریٰ کے اراکین اور طلبہ کے اعتماد پر بفضلہٖ تعالیٰ پورے اترے اور آپ نے سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا۔

اس تحریک میں ایک ایسا موقع بھی آیا کہ اراکین دارالعلوم مدرسہ کے مستقبل کے بارے میں سخت متفکر ہو گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حکومت برطانیہ غیر معین عرصہ تک دارالعلوم بند کر دے یا حکومت برطانیہ کوئی اور ایسا فتنہ کھڑا کر دے جس کو سنبھالنا اراکین دارالعلوم کے بس میں نہ ہو۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ نے حضرت شیخ کو بلایا اور اس پریشانی سے آگاہ کرتے ہوئے یہ مخلصانہ مشورہ دیا کہ عزیز! تم اس وقت طلبہ کے نمائندے ہو، اس وقت دارالعلوم کا مفاد اسی میں ہے کہ ہنگامہ ختم کر دیا جائے اور طلبہ جلسوں اور جلوسوں اور نعرہ بازی سے گریز کریں اور فوراً اپنی اپنی کلاسوں میں چلے جائیں اور ذوق وشوق سے تعلیم جاری رکھیں‘‘۔ حضرت شیخ نے حضرت مفتی صاحبؒ کے اس مخلصانہ اور معقول مشورہ کو بغور سنا اور آپ سے اتفاق کیا، لیکن آپ کے لیے مشکل یہ تھی کہ ایک طرف حضرت مفتی صاحب کی یہ معقول اور وزنی رائے تھی اور دوسری طرف طلبہ کے قلبی جذبات تھے جن کو یک لخت ٹھنڈا کرنا بظاہر ناممکن نظر آ رہا تھا۔ بہر حال توفیق الٰہی شامل حال ہوئی۔ آپ نے انتہائی مدبرانہ سیاست اور فہم وبصیرت سے طلبہ کے جوش وخروش کا رخ نہ صرف اراکین دارالعلوم کی طے کردہ حکمت عملی کی طرف پھیر دیا بلکہ طلبہ اپنی اپنی کلاسوں میں جانے کے لیے بھی تیار ہو گئے۔ آپ کی اس سیاسی بصیرت اور حکمت عملی کی تفصیل ان شاء اللہ قارئین آئندہ صفحات میں بعنوان ’’حضرت شیخ کا سیاسی کردار‘‘ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ چنانچہ دارالعلوم میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہو گیا اور طلبہ دورۂ حدیث نے بخاری اور ترمذی کا بقیہ حصہ مولانا اعزاز علی سے پڑھا۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے حضرت مدنیؒ کو بھی باعزت رہائی نصیب فرما دی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب سالانہ امتحان قریب آیا تو پھر چند ہنگامہ خیز طبیعتوں کے حامل افراد نے دفعتاً ہنگامہ برپا کر دیا اور مطالبہ یہ رکھا کہ امتحان کے بغیر ہی ہمیں تصور پاس کیا جائے اور مفت میں اسناد مل جائیں اور اس ہنگامہ میں غبی، بے محنت اور نالائق طلبہ پیش پیش تھے مگر چونکہ یہ مطالبہ سراسر غیر معقول تھا اس لیے اراکین مدرسہ نے اس پر آمادہ نہ ہوئے اور معمول سے چند دن پہلے ہی دارالعلوم بند کر دیا گیا اور اہتمام کی طرف سے صاف اعلان کر دیا گیا کہ کسی مناسب موقع پر ان شاء اللہ امتحان ہوگا اور کامیاب طلبہ کو اسناد دی جائیں گی۔

وطن واپسی: حضرات شیخین دارالعلوم سے سیدھے اچھڑیاں اپنے وطن پہنچے جہاں سوتیلی والدہ محترمہ اور چھوٹی ہمشیرہ بی بی خانم مرحومہ تھیں۔ یہاں پہنچ کر سب سے پہلے آپ نے اپنی ہمشیرہ کی شادی کا انتظام کیا اور ان کی شادی محترم دولت خان سے کر دی۔ اس ضروری کام سے فارغ ہو کر آپ اپنے دیگر اعزہ واقربا اور دوست احباب سے ملتے رہے۔ بعد ازاں دونوں بھائی مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ تشریف لے آئے۔ گوجرانوالہ تشریف آوری کے بعد حضرت شیخ کو آپ کے اساتذہ نے مدرسہ انوار العلوم میں پندرہ روپے ماہانہ وظیفہ پر درجہ وسطی کا استاد مقرر کر دیا جب کہ حضرت صوفی صاحب کھیالی (گوجرانوالہ) کی ایک مسجد میں خطیب مقرر ہو گئے۔ اسی اثنا میں تمام طلبا دارالعلوم کو امتحان کے لیے طلب کر لیا گیا چنانچہ حضرات شیخین بھی گوجرانوالہ سے روانہ ہو کر دیوبند پہنچ کر امتحان میں شریک ہو گئے۔ امتحان سے فراغت کے بعد واپس گوجرانوالہ تشریف لے آئے، کچھ عرصہ بعد دارالعلوم کی طرف سے دونوں بھائیوں کو بذریعہ ڈاک کامیابی کی اسناد بھی موصول ہو گئیں۔

حضرت مدنیؒ کی طرف سے خصوصی سند: آپ کے ممتاز استاد گرامی حضرت مدنیؒ نے دونوں بھائیوں کی علمی لیاقت پر اعتماد کرتے ہوئے دارالعلوم کی سند کے علاوہ اپنی طرف سے بھی خصوصی سند واجازت عطا فرمائی۔ حضرت صوفی صاحب نے دارالعلوم سے تحصیل علم کے بعد بھی حصول علم کا سفر جاری رکھا، چنانچہ آپ دارالمبلغین (لکھنو) تشریف لے گئے اور امام اہل سنت رئیس المناظرین مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی سے تقابل ادیان کی تعلیم حاصل کی اور مناظرہ کا فن سیکھا۔ بعد ازاں آپ نے نظامیہ کالج حیدر آباد (دکن) میں علم طب کا چار سالہ کورس بھی کیا اور کالج میں چاروں سال فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔ پھر آپ ۱۹۵۱ء میں واپس گوجرانوالہ تشریف لائے اور کچھ عرصہ تک طب کے شعبہ سے وابستہ ہو کر عوامی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۵۲ء میں انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں مدرسہ نصرۃ العلوم کی بنیاد رکھی گئی اور صوفی صاحب زندگی بھر اس مرکز حق میں حق وصداقت کی آواز بلند کرتے رہے اور اسی مرکز سے اپریل ۲۰۰۸ء میں عالم دنیا سے عالم عقبیٰ کی طرف روانہ سفر ہوئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

© rasailojaraid.com